© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

قومی سلامتی اور دفاع

خورشید احمد

ملت اسلامیہ پاکستان اپنی زندگی کے اولیں پچاس سال پورے کرنے کے بعد مستقبل کے سفر کے لیے ایک نیا عزم باندھ رہی ہے اور اس عہد کی تجدید کر رہی ہے جو برعظیم کے مسلمانوں نے حصول آزادی سے قبل اپنے رب اور مسلم عوام سے کیا تھا ---- یعنی اس پاک سرزمین پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ایک ایسا نمونہ پیش کرنا' جس میں اطاعت رب' باہمی اخلاص و محبت' امن و آشتی' اداے حقوق اور سب کے لیے عدل و انصاف اور حیات طیبہ کا دور دورہ ہو اور جہاں سے مسلمان ایک بار پھر حق کی شہادت دیتے ہوئے دکھی انسانیت کے لیے ایک نئے حیات بخش نظام کے پیامبر بن کر اٹھ سکیں۔ آزادی کی نعمت سے مالا مال ہو کر قوم اور اس کی قیادت نے اس عہد سے غفلت برتی اور مسلسل اس کی سزا پائی لیکن ساری کوتاہیوں اور ناکامیوں کے باوجود پاکستان کا یہی اصل تصور آج بھی دلوں کو گرم کرنے اور عزائم کو حیات نو دینے کا ذریعہ ہے:

جان فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا\
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں

ہماری قومی سلامتی کا انحصار اس نظریے کی بنیاد پر تعمیر میں مضمر ہے اور آنے والے برسوں میں ماضی کی غلطیوں اور تباہ کاریوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے ---- یعنی احتساب اور مسلسل احتساب۔ جس قوم میں احتساب کا عمل جاری و ساری ہو' وہ اپنی غلطیوں کی جلد اصلاح کر لیتی ہے اور غلط کاروں کا ہاتھ روک دیتی ہے یا انھیں اختیار و اقتدار کے مقام سے ہٹا کر زمام کار مقصد اور منزل کا صحیح شعور رکھنے والوں کو سونپتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ احتساب' جو جمہوری عمل کی روح ہے' بگاڑ اور فساد کو روکنے اور خیر اور صلاح کے فروغ پانے اور غالب آنے کا ذریعہ بنے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قومی امور پر کھلی بحث اور دلیل کے ذریعے غلط پالیسیوں کا پردہ چاک کرنا اور صحیح پالیسیوں کی تشکیل کی راہ آسان کرنا بھی اسی احتساب اور جمہوری عمل کا ایک بنیادی حصہ ہے۔ اس وقت ملک و قوم کے سامنے جو بنیادی سوالات درپیش ہیں ان میں قومی سلامتی کے حصول و استحکام میں دفاع کا مقام ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ چند دوسرے امور بھی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں جن میں (i) اسلامی نظریے کی صحیح تفہیم اور اس کے نفاذ کی حکمت عملی، (ii) معاشی ترقی کا غلط منہج اور اسلامی اصولوں اور ماضی کے تجربات کی روشنی میں نئی معاشی حکمت عملی کی تشکیل، (iii) سیاسی، انتظامی اور معاشی نظام پر ایک مخصوص اور متعین مفاد پرست طبقے کا غلبہ و اقتدار اور اس سے نجات کی راہ، (iv) تعلیم کی زبوں حالی اور نئی تعلیمی پالیسی کی تشکیل، (v) اقتدار و اختیار اور وسائل اور مواقع کی مرکزیت اور ملک کے تمام علاقوں اور طبقوں کے درمیان ان کی منصفانہ تقسیم کا فوری اور موثر انتظام اور نئے عالمی نظام اور عالمگیریت (globalisation) کے پس منظر میں نئے سامراجی خطرات اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے خود انحصاری پر مبنی خارجی اور داخلی پالیسیوں کی تشکیل، سرفہرست آتے ہیں اور ہم آیندہ ان پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ اس سلسلے کا آغاز ہم دفاع کے باب میں صحیح حکمت عملی اور پالیسی سے کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی تین بنیادی وجوہ ہیں۔

اولاً: آزادی، خود مختاری اور سیاسی حاکمیت کا تحفظ، خود نظریہ پر عمل کرنے کے لیے بھی سب سے پہلی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسم و جان کا تحفظ خود ایمان کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔ اگر ہماری آزادی ہی خطرے میں پڑ جائے اور اس اختیار ہی پر قدغن لگ جائے جس کے ذریعے ہم اپنے عقیدے اور عزائم کے مطابق زندگی کی تشکیل کر سکیں اور ہماری قسمت کے فیصلے دوسروں کے ہاتھ میں ہوں یا ان کے اشاروں پر کیے جا رہے ہوں تو پھر تعمیرنو کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ جس نے کہا صحیح کہا کہ ؎

عشق و آزادی بہارِ زیست کا سامان ہے
عشق میری جان، آزادی مرا ایمان ہے
عشق پر کردوں فدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

ثانیاً: ایک مدت سے، اور بظاہر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دفاع کی اہمیت کو کم کرنے اور علاقائی دوستی، معاشی ترقی اور سماجی فلاح کے نام پر، جس کے لیے ایک نئی خوبصورت اصطلاح، تحفظ انسانی (Human Security) وضع کی گئی ہے، پر دفاعی وسائل میں تخفیف کے لیے ایک جارحانہ مہم چلائی جا رہی ہے اور نہایت سطحی اور جذباتی انداز میں، اصلی خطرات اور زمینی حقائق سے صرف نظر کرتے ہوئے بڑے بڑے بقراط امن کی فاختائیں بن کر شاہینوں کے پر کاٹنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس شوروغوغا میں اب ان کی آوازیں بھی شامل ہو رہی ہیں جو ملک کی فضاؤں اور سرحدوں کے پاسبان رہے ہیں اور جن کو قوم نے ماضی میں ایر چیف' چیف آف سٹاف' کور کمانڈر تک کی امانتیں سونپیں۔ آج ان کی زبانوں سے بھی وہ تیر و نشتر نکل رہے ہیں جن کی زد میں شریان قیس ناتواں تک ہے۔ سابق اور حالیہ فوجی اور سیاسی قیادت کے اس آواز میں آواز ملانے سے وہ جوہری فرق واقع ہوا ہے جسے نظرانداز کر دینا بڑا مہلک ہو سکتا ہے اور اب ضروری ہو گیا ہے کہ مسئلے پر اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر بات کی جائے اور قومی بحث و مجادلہ کے ذریعے صحیح فیصلے کیے جائیں۔

ثالثاً: عالمی رائے عامہ اور خصوصیت سے امریکہ' ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کا رویہ' جس میں ان عناصر نے کھل کر ہمارے دفاعی بجٹ کو نشانہ بنایا ہے اور سیاسی دوستی' معاشی تعاون و سرمایہ کاری اور عالمگیریت اور نج کاری کی جو قیمت وہ وصول کرنا چاہتے ہیں' وہ دفاعی اخراجات اور عسکری صلاحیت میں تخفیف اور دوستانہ ہمسائگی (friendly neighbourhood) کے نام پر علاقے میں بھارت کی بالادستی قبول کرنا ہے۔

یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر قومی سلامتی میں دفاع کے مقام پر کھلے انداز میں گفتگو ہونی چاہیے اور تمام حقائق کی روشنی میں ایک ایسی حکمت عملی وضع ہونی چاہیے جو ملک و ملت کی آزادی اور نظریاتی' سیاسی اور معاشی خودمختاری کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

آگے بڑھنے سے پہلے تین بنیادی باتوں کی وضاحت ضروری ہے: دفاع کی اہمیت اور اس کی مضبوطی و استحکام کو سیاست میں فوج کی دخل اندازی سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ ہم اس امر کا صاف الفاظ میں اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ فوج کا پہلا اور آخری کام ملک کا دفاع اور ملکی دستور کے تحت اپنی ذمہ داریوں کی بجاآوری ہے۔

ماضی میں فوجی قیادت نے جن وجوہ سے بھی سیاست میں مداخلت کی' وہ ہماری نگاہ میں اصولاً غلط اور نتائج کے اعتبار سے تباہ کن رہی ہے۔ ہم تفصیلات میں جائے بغیر اور ماضی کا پوسٹ مارٹم کیے بغیر اس بنیادی بات کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم فوج کے کسی سیاسی کردار کے ہم نوا نہیں اور اسے خود دفاع کے نقطہ نظر سے غلط اور مضر سمجھتے ہیں۔ دفاع کی مضبوطی کے بارے میں جو بات بھی ہم کہہ رہے ہیں وہ اس بنیاد پر ہے کہ فوج کو اس دستور کا مکمل طور پر پابند رہنا چاہیے جس کا وہ حلف اٹھاتی ہے اور اس سے انحراف کرنے والوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ تعریف و توصیف یا عفو و درگزر کے نہیں' قرار واقعی سزا کے مستحق ہوں گے۔

دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ دفاع کی مضبوطی اور استحکام کے معنی کسی وقت پر پائے جانے والے انتظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و انصرام کا تحفظ نہیں۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ دنیا کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور تکنیکی ترقیات، ہمارے اپنے علاقے کی صورت حال، اور ملک و ملت کی سوچ اور تاریخی روایات، ان سب کی روشنی میں دوسرے شعبوں کی طرح دفاع کے شعبے کا مسلسل جائزہ لیا جائے اور جب اور جس نوعیت کی بنیادی، تصوراتی، انتظامی، اطلاقی یا اسٹرے ٹیجک تبدیلیوں کی ضرورت ہو، وہ بروقت کی جائیں۔ ہمارا ہدف محض موجود کو مزید مستحکم کرنا نہیں بلکہ ملک کی حقیقی دفاعی صلاحیت کا استحکام اور صحیح دفاعی حکمت عملی کا فروغ ہے۔

تیسری بات جو سامنے رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ دفاع کے نام پر پورے دفاعی بجٹ، دفاعی پالیسی اور انتظامی مشینری کو "مقدس گائے" بنا دینے کا کوئی جواز نہیں۔ مسلم روایت اور جمہوری معاشرہ دونوں کی روشنی میں دفاعی امور کو بھی مناسب حدود کے اندر اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ اسی طرح شوریٰ اور احتساب کی چھلنی سے گزارنا چاہیے ہیں جس طرح باقی قومی امور۔ وسائل کا بہترین استعمال اور بنیادی فیصلوں اور مالی معاملات میں شفافیت (transparancy) یہاں بھی اتنی ہی ضروری ہے، بلکہ اس سے زیادہ ضروری ہے، جتنی دوسرے شعبوں میں۔ بدعنوانی اور کرپشن کے خلاف حصار یہاں بھی اتنا ہی اہم ہے۔ پارلیمنٹ اور قوم کے سامنے جواب دہی سے کوئی مستثنیٰ نہیں اور نہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں پالیسی، رویے اور طریقہ ہاے کار (processes) سب کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور انھیں اسلامی اصولوں اور جمہوری روایات سے ہم آہنگ کرنا بھی وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ ہماری جستجو خوب سے خوب تر کے لیے ہونی چاہیے۔ نہ مقصد کسی کا تحفظ ہے اور نہ بے جانشانہ بازی۔

ان تینوں پہلوؤں سے حالات کا جائزہ لینے، واضح پالیسی تشکیل دینے اور ان کے مطابق اصلاح کار کی مسلسل سعی ہی ہمارے دفاعی نظام کے استحکام کی ضامن ہو سکتی ہے۔

نازی جرمن کے وزیر اطلاعات و کذبیات جنرل گوئے بلز نے کہا تھا: "ایک غلط بات کا اتنی بار اظہار و اعلان کرو کہ لوگ اسے سچ جاننے لگیں"۔ اس وقت پاکستان میں ابلاغیات کو ایک ایسے ہی عمل سے سابقہ ہے۔ ہر طرف سے یہی دھن سنائی جا رہی ہے کہ دفاع ہمارے سارے قومی وسائل کو کھائے جا رہا ہے جس کے نتیجے میں معاشی ترقی رک گئی ہے اور عام انسانوں کی فلاح و بہبود کے کام منجمد ہو گئے ہیں۔ بڑا معصوم چہرہ بنا کر کہا جا رہا ہے کہ ایک ایف ۱۶ کے بدلے اتنے اسکول اور اتنے ہسپتال بن سکتے ہیں اور ایک ٹینک کی جگہ اتنے گاؤں میں پانی پہنچایا جا سکتا ہے۔ بھارت نواز لابی تو شروع ہی سے یہ راگ الاپتی رہی ہے لیکن اب تو ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف سے لے کر انسانی ترقی (Human Development) کے عشق کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوکرشاہوں تک، انسانی حقوق کمیشن کے قائدین سے لے کر فضائی اور بری فوج کے سابق سربراہ تک اسی لَے میں لَے ملا رہے ہیں حتیٰ کہ وزیراعظم صاحب نے بھی اپنے گولڈن جوبلی خطاب میں فرمادیا: "مسئلہ کشمیر پر ہونے والی جنگوں، اسلحہ کی دوڑ اور محاذ آرائی نے نہ صرف ہزاروں انسانوں کو نگل لیا بلکہ کھربوں ڈالر کے وسائل بھی دشمنی کی نذر ہو گئے۔ اس سے بھارت اور پاکستان دونوں ہی کے مفادات کو نقصان ہوا" (جنگ، لندن، ۱۵ اگست ۱۹۹۷ء)۔ وزیراعظم صاحب نے کم از کم اتنا تو کہا کہ: "مسئلہ کشمیر حل کیے بغیر امن و استحکام نہیں ہو گا اور ہم اپنے دفاع سے غافل نہیں" لیکن ایک سابق فضائی فوج کے سربراہ نے تو یہاں تک کہہ دیا اور ایک سابق کور کمانڈر اور حالیہ گورنر نے بھری بزم میں اس کی تائید کر دی کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ کا کوئی خطرہ نہیں، ۲۰ فی صد بھی اس کا خطرہ موجود نہیں اور ہمیں "بھارت کو بھی ایک ہمسایہ سمجھنا چاہیے۔ کشمیر ہماری شہ رگ نہیں ہے۔ بھارت بہت بڑی قوت ہے اور پاک فوج کشمیر آزاد نہیں کرا سکتی۔ ہمیں دفاعی فوجوں میں مسلسل تخفیف کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے" اور بقول گورنر صاحب بہادر: ہمیں بھی نیپال اور بھوٹان کی طرح سر جھکا کر زندہ رہنے کا سلیقہ سیکھ لینا چاہیے۔ بری فوج کے ایک سابق سربراہ (جنرل گل حسن) کچھ اور بھی آگے بڑھ گئے ہیں اور نئی دہلی میں پریس ٹرسٹ آف انڈیا کو انٹرویو دیتے ہوئے دوستی کے ایسے راگ الاپنے لگے ہیں جو دو قومی نظریے اور برعظیم کی پوری تاریخ پر خط تنسیخ پھیرنے کے مترادف ہے۔ انھیں تو یہ بھی گلہ ہے کہ: "پاکستان میں نئی نسل کے سامنے شروع ہی سے بھارت ایک دشمن ملک کی حیثیت سے رکھا جاتا ہے۔ پھر بعد میں ان کا رویہ کیسے بدل سکتا ہے" (دی نیوز انٹرنیشنل، لندن، ۲۷ جون ۱۹۹۷ء)۔

یہ حضرات یہ درس بھی دے رہے ہیں کہ آج کی دنیا میں بڑا ملک چھوٹے ممالک کے خلاف جارحیت کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ بس معیار زندگی اصل چیز ہے۔ معیار زندگی بلند کرو پھر سب مسائل حل ہو جائیں گے حتیٰ کہ مسئلہ کشمیر بھی آپ سے آپ حل ہو جائے گا۔ اس فلسفہ سپردگی و تابع داری (appeasement) کے لیے سابق وزیر خزانہ اور ورلڈ بنک کے مشیر، ڈاکٹر محبوب الحق میدان میں آئے ہیں اور اپنی تقریروں اور مضامین کے علاوہ ایک بظاہر تحقیقی رپورٹ "ہیومن ڈویلپمنٹ ان ساؤتھ ایشیا ۱۹۹۷" کے توپ خانے سے دفاعی اخراجات پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس رپورٹ میں جنوبی ایشیا کے جن تنازعات کو امن کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے، ان میں فرخا بیراج (بھارت۔ بنگلہ دیش) اور دولر بیراج (بھارت۔ پاکستان) کا ذکر تو موجود ہے لیکن سب سے بنیادی اور مرکزی مسئلے کشمیر کا ذکر تک نہیں ہے (ص ۹۰)۔

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ سارا کھیل کشمیر کے مسئلے سے جان چھڑانے اور پاکستان کی دفاعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلاحیت کو کمزور کرنے کے لیے کھیلا جا رہا ہے اور اس پر بروقت گرفت کی ضرورت ہے۔

یہ بقراط آج "ہیومن سیکورٹی" بمقابلہ "نیشنل سیکورٹی" کا درس دے رہے ہیں۔ یہ وہی حضرات ہیں جو چالیس سال سے پاکستان کی مالیاتی اور معاشی پالیسیوں کے خالق رہے ہیں، جن کے ہاتھوں ماضی کی غلط اور تباہ کن ترقیاتی حکمت عملیاں تشکیل پائیں اور ملک موجودہ مصائب کا شکار ہوا۔ اگر معاشی ترقی میں تمام مسائل کا حل ہے تو آج امریکہ اور یورپ میں مختلف تنازعات کیوں موجود ہیں؟ کیا آئرلینڈ معاشی اعتبار سے خوشحال نہیں؟ پھر وہاں ایک صدی سے خانہ جنگی کیوں ہو رہی ہے۔ کیا خوشحال ممالک کے درمیان جنگیں نہیں ہوتیں؟ کیا وسط یورپ معاشی اعتبار سے پس ماندہ تھا جو بوسنیا، کوسوو، سنجق، البانیا اور میسکے ڈونیا تنازعات کا گہوارہ بنے ہوئے ہیں؟ قبرص کے بارے میں کیا خیال ہے؟ چیچنیا اور روس کے تنازعہ کی بنیاد کون سی معاشی ترقی ہے؟

پاکستان اور بھارت کے معاشی کوائف کا جو مقابلہ خود "ہیومن ڈویلپمنٹ ان ساؤتھ ایشیا ۱۹۹۷" میں دیا گیا ہے اس کی رو سے پاکستان کی فی کس آمدنی ۴۳۰ امریکی ڈالر اور بھارت کی ۳۰۰ ڈالر ہے۔ یعنی پاکستان سے ۳۳ فی صد کم۔ پاکستان کی حقیقی فی کس آمدنی کا اوسط ۲۱۶۰ ڈالر ہے جبکہ بھارت کا صرف ۱۲۴۰ ڈالر ہے یعنی پاکستان کا صرف ۶۰ فی صد --- لیکن اس نے ہمارے کون سے مسائل حل کر دیے جو مزید چند ڈالر کے اضافے سے حل ہو جائیں گے؟

پھر یہ حضرات دفاع پر اخراجات کا تو صبح و شام شور مچاتے ہیں لیکن جن مسائل نے ہمارے وسائل کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے یعنی قرضوں پر سود اور ادائیگی کا بار، اس کے بارے میں خاموش ہیں۔ دراصل یہ سودی معیشت اور قرض پر مبنی ترقی کی حکمت عملی تھی، جس کے یہ لوگ خالق ہیں اور آج بھی اس کے محافظ ہیں، جس نے معاشی ترقی کے پورے نقشے کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ ۹۸-۱۹۹۷ کے بجٹ میں جس میں اخراجات کا تخمینہ ۵۵۲ ارب روپے ہے، کل دفاعی اخراجات کے لیے ۱۳۴ ارب روپے رکھے گئے ہیں جو سابقہ سال ۹۷-۱۹۹۶ کے اولیں بجٹ تخمینہ (۱۳۱ ارب روپے) اور نظرثانی شدہ تخمینہ (۱۲۷ ارب روپے) سے صرف ۳ اور ۷ ارب روپے زیادہ ہے اور اگر ۱۳ فی صد افراط زر کو حساب میں شامل کر لیا جائے تو حقیقی قوت خرید کے اعتبار سے ۱۱۶.۵ ارب روپے کے برابر ہو گا یعنی سال گذشتہ کے اصل تخمینہ سے ۱۲.۵ فی صد کم اور نظرثانی شدہ تخمینہ سے ۹ فی صد کم۔ اس کے برعکس سود اور قرضوں پر ادائیگی جو ۹۷-۱۹۹۶ میں ۱۹۸.۵ ارب روپے تھی جو اب ۹۸-۱۹۹۷ میں بڑھ کر ۲۴۸ ارب روپے ہے یعنی سال گذشتہ سے ۲۵ فی صد زیادہ۔ اس طرح موجودہ بجٹ کا ۴۴.۹ فی صد سود کی ادائیگی کی نذر ہو گا جبکہ دفاع کا حصہ ۲۶ فی صد سے کم ہو کر ۲۴.۲ فی صد رہ گیا ہے۔ نیز "قرض اتارو، ملک سنوارو" کے سارے خوش کن اعلانات کے باوجود قرض کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بوجھ بڑھ رہا ہے۔ شاہد برکی کے عبوری دور میں ۲.۱ ارب ڈالر کا قرضہ بڑھ گیا جو ۲۲ فی صد سالانہ کی ہوش اڑا دینے والی شرح پر لیا گیا تھا اور موجودہ حکومت ۶.۱ ارب ڈالر کے اضافے کی خبر لا رہی ہے۔ یہ ہے وہ اصل ناسور جس کی وجہ سے معاشی ترقی اور انسانی خوشحالی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا لیکن بیرونی امدادی ایجنسیوں کے ہم نوا دانش ور اس آکاس بیل کی تو کوئی فکر نہیں کرتے اور دفاع کے اخراجات کو اصل ہدف بنا رہے ہیں۔ غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ!

معیشت پر دوسرا بڑا بار بدعنوانی اور کرپشن کا ہے' جو کل قومی دولت کے ایک چوتھائی کو ہر سال ہڑپ کر جاتا ہے۔ محتاط اندازوں کے مطابق گذشتہ سالوں میں چار سو سے پانچ سو ارب روپے سالانہ کا نقصان ملک کو پہنچایا گیا ہے۔ اگر اس کے ایک تہائی کو بھی روکا جا سکے تو بجٹ کا سارا خسارہ ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن احتساب کو ایک ڈھونگ بنا دیا گیا ہے اور ہر دور میں "بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے!" جو طبقہ ملک کو لوٹ رہا ہے وہی دفاع پر اخراجات کی دہائی دے رہا ہے اور ان پر نالوں کو بند کرنے کی کوئی فکر نہیں کرتا جن سے قومی دولت چند خاندانوں کو امیر تر بنانے کے لیے نکلی جا رہی ہے جو عوام کی محرومیوں کا اصل سبب ہے۔

کشمیر اور ماضی کی جنگوں کے بارے میں جو کچھ یہ حضرات فرما رہے ہیں' اس کا حقائق سے تو کوئی تعلق نہیں البتہ ان کے اصل مقاصد پر سے پردہ اٹھانے میں وہ ضرور مددگار ہیں۔

جو اس حقیقت سے انکار کرتا ہے کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے' وہ قائداعظمؒ کی آنکھوں میں دھول ہی نہیں جھونکتا بلکہ ناقابل انکار جغرافیائی' تاریخی' سیاسی' معاشی اور اسٹریٹیجک حقائق سے بھی صرف نظر کرتا ہے۔ کیا پاکستان کے تمام دریا جن پر ہماری معیشت کا انحصار ہے' کشمیر سے نہیں نکلتے؟ کیا کشمیر کا فطری تعلق پاکستان سے نہیں ہے؟ کیا کشمیر اور پاکستان میں ایک ہی قوم' ایک ہی نسل اور ایک ہی دین و تہذیب کے علم بردار نہیں رہتے؟ کیا اہل کشمیر نے بھارت کے غاصبانہ قبضے کو ایک دن کے لیے بھی قبول کیا ہے؟ کیا ان کے عزائم اور امنگیں پاکستان کے بھائیوں اور بہنوں سے مختلف ہیں؟ کیا ان کی گھڑیاں بھارت کے بجائے پاکستان کے وقت کے ساتھ ہم آہنگ نہیں؟ کیا وقت گزرنے سے تقسیم ملک کا نامکمل ایجنڈا بدل گیا ہے؟ اور کیا محض قوت کے بل بوتے پر ناجائز قبضہ اور غلبہ اہل کشمیر کی جدوجہد آزادی کے علی الرغم جائز ٹھہر گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر اور پاکستان میں کوئی فرق نہیں ہے اور کشمیر میں پاکستان کے مستقبل کی فیصلہ کن لڑائی لڑی جا رہی ہے۔ اسے کمزور کرنے والے اور اس سے جان چھڑانے والے کشمیر سے نہیں پاکستان سے بے وفائی کے مرتکب ہوں گے۔ پاکستان کی دفاعی صلاحیت میں تھوڑی سی بھی کمی کشمیر اور پاکستان دونوں کے لیے تباہ کن ہو سکتی ہے۔ یہ وہ دام ہے جو دشمن کے جارحانہ حملے سے بھی زیادہ خطرناک ہے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھارت سے دوستی اور تخفیف اسلحہ کے شوق میں ہمارے یہ کرم فرما قومی وقار اور تاریخی حقائق دونوں سے صرف نظر کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ فضائیہ کے ایک سابق سربراہ یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ ماضی کی دونوں جنگیں غیر ضروری تھیں، انھیں پاکستان نے شروع کیا اور نتائج ناخوشگوار رہے۔ حالانکہ غیر جانب دار مورخ اور خود بھارت کے نسبتاً آزاد محقق اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ کی دونوں جنگوں میں بھارت جارحیت کا مرتکب ہوا۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ۱۹۶۵ میں بھارت نے رن آف کچھ میں پہل کی اور منہ کی کھائی۔ اس کے بعد بھارتی وزیراعظم لال بہادر شاستری نے اعلان کیا کہ اب بھارت اپنی پسند کا وقت منتخب کرے گا اور اپنی پسند کا نیا محاذ کھولے گا اور ۶ ستمبر کو بلااعلان لاہور کے محاذ پر اور پھر ۸ ستمبر کو سیالکوٹ کے محاذ پر اس نے حملہ کیا۔ کشمیر جو متنازع علاقہ ہے اس میں کمانڈو ایکشن کو اس کے لیے جواز نہیں بنایا جا سکتا۔ رہا ۱۹۷۱ کا معاملہ تو وہ تو اتنا واضح ہے کہ بھارت کی جارحیت پر پردہ ڈالنے کی جسارت ہمارے بڑے سے بڑے دشمن بلکہ خود بھارتی apologists تک نہیں کر سکے لیکن یہ سعادت بھی ہمارے اپنے دوستوں ہی کو حاصل ہو رہی ہے۔ صرف ریکارڈ درست کرنے کے لیے چند اہم حوالے نموتناً پیش کیے جاتے ہیں ورنہ اس سلسلے میں تاریخی شہادتیں بے شمار ہیں۔ بھارتی میجر جنرل (ر) کوقیرا بھی مایا (Koqara Bhimaya) اپنے ایک مضمون: جنوبی ایشیا میں جوہری سد جارحیت، مطبوعہ ایشین سروے جولائی ۱۹۹۶ میں لکھتا ہے:

"اپریل ۱۹۶۵ میں بھارت کی طرف سے رن آف کچھ میں جو بمبئی کے شمالی علاقے میں واقع ہے ایک چھوٹے سے بحران سے سابقہ پیش آیا۔ پاکستان کی فوجوں سے ایک معمولی چھیڑ چھاڑ ایک بڑی لڑائی کا سبب بن گئی۔ نتیجتاً پاکستانی افواج ایک بڑے حملے پر اتر آئیں جن میں بھارتی فوجیں جو تعداد میں زیادہ تھیں، پیچھے دھکیل دی گئیں اور بالآخر جنگ بندی وجود میں آئی" (ص ۶۵۳)۔

اس کے پانچ مہینے بعد جموں و کشمیر میں لڑائی شروع ہوئی اور پھر بین الاقوامی سرحد پر۔ اس کا ذکر بھارتی میجر جنرل اس طرح کرتا ہے: "وزیراعظم لال بہادر شاستری نے تیزی سے جنگ کا دائرہ پھیلانے کا فیصلہ کن اقدام کیا"۔

یعنی بھارتی وزیراعظم نے جنگ کو بین الاقوامی سرحد پر لانے کا فوری فیصلہ کیا۔

۱۹۷۱ کی جنگ کے بارے میں یہی محقق لکھتا ہے کہ اس میں فیصلہ مکمل طور پر بھارتی فوج کے ہاتھوں میں تھا۔ یحییٰ خان کا رویہ محتاط تھا لیکن پھر اس پر اندرونی دباؤ بڑھا جس کی وجہ خصوصیت سے نومبر ۲۰ تا ۲۲ کے ابتدائی بھارتی حملے تھے۔ اس کے الفاظ میں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

particularly after India's probing attacks (Nov 20-22) along the East Pakistan Border (p 655).

ایک امریکی محقق جان جی اسٹوئے سنگر (John G. Stoessinger) نے اپنی کتاب Why Nations Go to Wars میں بھارت اور پاکستان کے درمیان ۱۹۴۷، ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ کی جنگوں کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ مصنف، پاکستان اور نام نہاد مذہبی ریاست کے تصور کے خلاف ہے اور بھارت کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہے۔ اب دیکھیے کہ وہ ان جنگوں کے بارے میں کیا کہتا ہے:

"جنگ کا آغاز ایک غیر متوقع مقام، یعنی رن آف کچھ سے ہوا... جس میں پاکستانی افواج نے بڑی تیزی سے بھارتی افواج پر فوقیت حاصل کر لی اور اس طرح اسے ایک آسان فتح حاصل ہو گئی جس نے پاکستان کو خطرناک حد تک خود اعتمادی دی جبکہ بھارت خطرناک حد تک بددلی کا شکار ہوا...... چین سے شکست کھانا ایک بات تھی، لیکن پاکستان کی عسکری فوقیت بھارت کے لوگوں کے لیے قطعاً" ناقابل قبول تھی۔ لال بہادر شاستری، جو نہرو کا جانشین تھا، سخت دباؤ میں آیا تاکہ رن آف کچھ کی شکست کا بدلہ لے سکے" (ص ۱۲۵-۱۲۶)۔

یہ ہے ۱۹۶۵ کی جنگ کا اصل پس منظر۔ اب ذرا ۱۹۷۱ کی جنگ کا نقشہ بھی اس امریکی محقق کے الفاظ میں دیکھ لیں:

"وسط جولائی تک مسز گاندھی کو پوری طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ پاکستان سے جنگ ریفیوجی پرابلم کے معاشی بوجھ کے مقابلے میں بہت سستا سودا ہو گی۔ ۹ اگست کو مسز گاندھی نے اپنی غیر جانب داری کی پالیسی کو ترک کر کے سوویت یونین سے ۲۵ سالہ دوستی کا معاہدہ کر لیا اور ایک طرف پاکستان کے خلاف سفارتی جنگ کا آغاز کیا۔ تو دوسری طرف خاموشی سے وہ تمام اقدام کیے جن سے بھارتی فوج کو حملہ کرنے کے لیے تیار کیا جا سکے۔ نومبر کے شروع میں بھارت کی پارلیمنٹ نے پاکستان کے خلاف قرارداد منظور کی اور اس دباؤ کے تحت مسز گاندھی نے فوجی کارروائی کا فیصلہ کیا اور بھارتی فوج کو مشرقی پاکستان کے محاذ پر پاکستانی افواج پر حملے کا اختیار دیا" (ص ۱۳۲-۱۳۳)۔

یہ تھی ۱۹۷۱ کی جنگ کی نقشہ بندی۔ مسز گاندھی تو اتنی جری تھی کہ اس نے جارحانہ جنگ کا آغاز کرنے کے بعد صاف الفاظ میں کہا کہ:

"اگر کوئی ملک یہ سمجھتا ہے کہ ہمیں جارح قرار دے کر اپنے قومی مفادات فراموش کرنے پر مجبور کر سکتا ہے تو وہ ملک خود اپنی جنت میں رہ رہا ہے، وہاں خوش رہے" (بحوالہ لندن ٹائمز، ۳ دسمبر ۱۹۷۱، ص ۱۳۴)۔

یہ ہے ان دو جنگوں میں بھارت کا کردار اور ہمارے سابق فوجی اپنا ہی منہ کالا کرنے کی خدمت انجام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے رہے ہیں۔

ع ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ!

قومی دفاع کے مسئلے کا انحصار خواہشات پر نہیں معروضی حقائق پر ہوتا ہے۔ ہم نے بھارت کو ہمیشہ اپنا ہمسایہ جانا ہے اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے لیکن نہ صرف یہ کہ بھارت نے پہلے دن سے ہمارے آزاد اور خود مختار وجود کو تسلیم نہیں کیا اور بالآخر پاکستان کو کمزور کرنے اور اپنے اندر مدغم کر کے ہمیں نیپال اور بھوٹان کی طرح اپنا ایک باج گزار ملک بنانے کا خواب ہی نہیں دیکھا بلکہ اس کے لیے ٹھوس منصوبہ بندی اور مسلسل کارروائیاں کی ہیں اور کر رہا ہے۔ جونا گڑھ' حیدر آباد اور کشمیر پر قبضہ' حکومت برطانیہ کے چھوڑے ہوئے اثاثوں کی' طے شدہ فارمولے کے مطابق' تقسیم اور ترسیل سے انکار' اندرون پاکستان سازشوں کا جال اور ہر ممکنہ کھلی اور چھپی جارحیت کا رویہ اس کا ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں گاندھی' نہرو' پٹیل اور اچاریہ کرپلانی سے لے کر اس وقت تک کی قیادت کے رویے میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔ کچھ نے اپنے جذبات اور عزائم کا اظہار کھلے الفاظ میں کیا ہے اور کچھ نے بات کو لپیٹ کر ادا کیا ہے۔ حتیٰ کہ ابھی گولڈن جوبلی کے موقع پر پاکستان کی آزادی کو آزادی کے بجائے تقسیم اور تباہی کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ پورا بھارتی اور مغربی میڈیا اس پر گواہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جب بھارت کے دانش ور اور ڈپلومیٹ وزیراعظم سے پوچھا گیا کہ وہ پاکستان کے قیام کو ایک جائز امر تسلیم کرتے ہیں؟ تو بڑی چابک دستی سے انھوں نے فرمایا کہ اب اس کے قیام کو صحیح یا غلط قرار دینے کا وقت گزر گیا ہے۔ وہ اسے ایک امر واقعی (defacto) تو ماننے کو تیار ہیں مگر ان کے الفاظ میں امر جائز (dejuro) اب بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ بلکہ لندن کے مشہور اخبار فنانشل ٹائمز نے بھارت کے پچاس سال پر جو خاص اشاعت پیش کی ہے اس میں بھارت کے ایک سابق نائب وزیر خارجہ سلمان خورشید نے تو صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ:

"۱۹۴۷ میں پاکستان کا نظری اور نظریاتی جواز کچھ بھی رہا ہو' بعد کے واقعات نے اس دعویٰ کو یقیناً باطل ثابت کر دیا ہے" (انڈیا انڈی پنڈنٹ ورلڈ' ص ۲۷' فنانشل ٹائمز' ۲۴ جون ۱۹۹۷)۔

موصوف کو یہ بھی شکایت ہے کہ پاکستان' علاقے میں بھارت سے برابری کا خواہش مند ہے اور یہی بس کی اصل گانٹھ ہے: "افسوس ناک امر یہ ہے کہ یہ مقابلہ منفی رہا ہے۔ پاکستان بھارت کے برابر مقام کی تمنا کرتا ہے"۔

پاک بھارت تعلقات کے باب میں اس مرکزی نکتے کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ بھارت خود کو علاقے کا چودھری اور سوپر پاور سمجھتا ہے اور دوسرے ممالک پر بالادستی کے رشتے کو اپنے مقام کے مطابق سمجھتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبکہ دوسرے ممالک جغرافیائی' عددی اور معاشی اعتبار سے مختلف ہونے کے باوجود اپنے مساوی مقام اور مرتبے پر سمجھوتے کے لیے تیار نہیں۔ پاکستان سے بھارت کی ناراضی کی تین مرکزی وجوہ ہیں اور جب تک ان کے بارے میں بھارت کا یا ہمارا رویہ تبدیل نہ ہو' علاقے میں خوش ہمسائیگی کا قیام ممکن نہیں۔

اولاً: وہ پاکستان کو برعظیم کا ایک جائز وارث ملک (succeeding state) نہیں سمجھتا بلکہ بھارت کا بٹوارا کرنے والا اور اس سے رشتہ کاٹ لینے والا ناخلف ملک (seceding state) سمجھتا ہے۔ جسے پاکستان اپنی آزادی سمجھتا ہے' اسے بھارت اپنے وجود کی تقسیم قرار دیتا ہے۔ جسے گاندھی جی نے بھارت ماتا کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جانے سے تعبیر کیا تھا۔ یہ زہریلا ذہن آج بھی موجود ہے اور خواہ بھارتی سیاست دان اور دانش ور ہوں یا برطانوی صحافی اور اداریہ نگار' اس گولڈن جوبلی کے موقع پر سب نے دل کھول کر زہر اگلا ہے اور بھارت کی آزادی کو آزادی اور پاکستان کی آزادی کو تقسیم قرار دیا ہے۔

ثانیاً: دو قومی نظریہ جس طرح آزادی سے قبل مابہ نزاع تھا اسی طرح آج بھی اختلاف کی بنیاد ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ بھارت کا نظریہ اور ہمارا نظریہ مختلف ہے لیکن ہم یہ ماننے کو تیار نہیں کہ صرف بھارت کو یہ حق ہے کہ اپنے تصورات کے مطابق اپنے معاشرے اور ریاست کی تعمیر کرنے کا عزم کرے اور ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم اپنے تصورات کے مطابق اپنے ملک کی تعمیر کریں۔ اختلاف کو معتبر (authentic) نہ سمجھنا اور دوسروں کی تہذیب اور دین و ثقافت کو حقیر جاننا اور مساوی برداشت نہ کرنا' دراصل سامراج اور امپریل ازم کی روح ہے۔ بھارت آج بھی ہمارے اس جرم کو معاف کرنے کو تیار نہیں کہ ہم اپنے دین اور اپنی تہذیب کے مطابق اپنے ملک کو تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ بقول سلمان خورشید: بھارت دو قومی نظریے کی ضد ہے اور اس نظریے کی بنیاد پر جو تقسیم عمل میں آئی ہے' اسے آج بھی وہ اور دوسرے بھارتی دانش ور اور پالیسی ساز مصنوعی قرار دیتے ہیں۔ یہ متشدد ذہن اور عدم رواداری دونوں کے درمیان اصل خلیج ہے اور ذہنوں اور دلوں کو پھاڑے ہوئے ہے۔

ثالثاً: بھارت کا یہ زعم کہ وہ ایک بڑا ملک ہے اور اسے علاقے کا لیڈر تسلیم کیا جائے اور سب اس کے خورد بن کر رہیں۔ اس کے علاقائی سلامتی کے سائے میں باج گزاروں اور ذیلی اور ظلی وجود کی تو گنجایش ہے' مساوی شرکائے کار (equal partners) کے لیے کوئی گنجایش نہیں۔ جب تک پاکستان سر تسلیم خم نہ کرے اور علاقے میں بھارت کی بالادستی قبول نہ کرے وہ اسے نیچا دکھانے اور کمزور و مجبور کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے' اور رہے گا۔

یہ ہیں وہ تین بنیادی امور جن کے بارے میں یا بھارت کا رویہ بدلے اور وہ مساوی بنیادوں پر نظریاتی و تہذیبی اختلاف کا اعتراف کرتے ہوئے دوستی اور ہمسائیگی کے تصور کو قبول کرے یا ہم اپنی آزادی اور خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختاری اور اپنے جداگانہ تہذیبی، سیاسی، نظریاتی اور معاشی وجود پر سمجھوتہ کرنے کو تیار ہوں---- اس کے بغیر علاقے میں امن و آشتی اور دوستی اور سلامتی کا نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

نہ وہ بدلے، نہ دل بدلا، نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبار انقلاب آسماں کر لوں

بھارت کی قیادت اور اس کے پالیسی ساز دانش وروں کے ذہن اور ان کی سوچ اور منصوبہ بندی کی یہ تصویر نہ کوئی خیالی شے ہے اور نہ یہ کسی تعصب پر مبنی ہے۔ یہ حقائق کے بالکل معروضی مطالعے اور تجزیے پر مبنی ہے اور اس کی پشت پر ٹھوس تحقیقی جستجو ہے۔ جگہ کی قلت کے باعث ہم صرف چند ضروری حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ولیم جے بارنڈز (William J. Barends) اپنی کتاب: India Pakistan and the Great Powers میں بھارت کی ابتدائی اور اساسی فکر کو یوں پیش کرتا ہے:

"مسلم لیگ کے قائدین نے جو اب پاکستان کے حکمران ہیں ایک آزاد اور متحدہ ہندستان کے خواب کو چکنا چور کر دیا۔ کتنا ہی افسوس ناک کیوں نہ ہو، یہ عملاً ناگزیر ہو گیا کہ بھارت سخت رویہ اختیار کرے۔ بھارت کے لیڈر یقین رکھتے تھے کہ پاکستان ایک قوم کی حیثیت سے باقی نہیں رہ سکے گا۔ یہی رائے بعض بیرونی مبصروں کی بھی تھی جیسا کہ نہرو نے کہا تھا: "پاکستان ایک زمانہ قدیم کی ریاست ہے جو ایک ناممکن مذہبی تصور پر قائم ہے۔ اسے ہرگز قائم نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ایسا ہرگز نہ ہوا ہوتا اگر انگریز جناح کے احمقانہ تصور کے ساتھ نہ ہو جاتے---- ہم تعاون کرنا چاہتے ہیں اور تعاون کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں اور ایک دن ناگزیر طور پر یک جہتی ہو جائے گی، ۴ سال میں، ۵ سال میں یا ۱۰ سال میں یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ یہ واضح نہیں ہے کہ بھارت کے سرکاری افسر دونوں ملکوں کے دوبارہ متحد ہونے کے بارے میں کیا تصور رکھتے ہیں" (ص ۵۵)۔

برطانوی مدبرین، تقسیم کے بعد ہی سے کہہ رہے تھے کہ بھارت اپنی جغرافیائی برتری کی بنا پر جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا کے قائد کی حیثیت کے لیے کوشاں ہو گا اور "ایک ایسا وفاقی سسٹم ہی علاقے کے ممالک کے لیے سلامتی اور تحفظ کا باعث ہو گا جو بھارت کی قیادت کے تحت ہو"۔

(Nicholos Mansergh, The Common wealth and the Nations, London. 1948, p 160-161).

اخبار The Statesman کے ایڈیٹر ایان اسٹی فنس (Ian Stephens) نے اپنی کتاب Pakistan (لندن ۱۹۶۳) میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ بھارت کے گہرے مطالعے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ عام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندو کی نگاہ میں، باہم رضامندی پر بھی تقسیم ملک کے برسوں بعد بھی یہ خیال مستحکم ہے کہ پاکستان کو ایک آزاد ملک کی حیثیت سے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں (ص ۲۲۰)۔ کیتھ کیلارڈ (Keith Callard) بھی اس نتیجے پر پہنچا ہے اور اپنی کتاب Pakistan's Foreign Policy (نیویارک، ۱۹۵۷ء ص ۴) میں رقمطراز ہے:

"بے شمار ہندو، پاکستان کے قیام کو اب بھی ایک فاش غلطی (tragic mistake) سمجھتے ہیں جس کا بہرصورت تدارک کیا جانا چاہیے۔ کم از کم جہاں تک مشرقی بنگال کا تعلق ہے"۔

ایک امریکی محقق، جس کا شمار بھارت کے دوستوں اور پاکستان کے ناقدین میں ہوتا ہے، یعنی سلینگ ہیری سن (Seling S. Harrison) اپنے ایک مضمون Troubled India میں جو مشہور رسالہ Foreign Affairs میں جون ۱۹۶۵ میں شائع ہوا، لکھتا ہے:

"ہندستانی قومیت کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں برعظیم کے مسلمانوں پر ہندوؤں کی بالادستی رکھی جائے۔ بیشتر ہندو بھارتی دائرہ اثر میں ایک تابع دار پاکستان سے مطمئن ہو جائیں گے، کچھ کنفیڈریشن کی امید رکھتے ہیں اور ایک بلند آواز گروہ کسی بہانے پاکستان کو بزور طاقت ختم کرنے کو خوش آمدید کہے گا"۔

آسٹریلیا کے ایک محقق فرنے ولی (Ferone A. Vali) آسٹریلیا کی قومی یونی ورسٹی کینبرا میں ایک کانفرنس میں پیش کردہ مقالے میں کہتے ہیں:

"بھارت نہ صرف یہ کہ اپنے کو برطانوی راج کا واحد وارث سمجھتا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو ہندو موریا اور گپتا بادشاہتوں اور مغلوں کی اسلامی سلطنت کا وارث بھی تصور کرتا ہے"۔

عملاً امریکہ بھی ایک عرصے سے بھارت کو ایک علاقائی سوپر پاور کی حیثیت دے رہا ہے۔ صدر کارٹر نے تو ۱۹۷۸ میں بھارتی پارلیمنٹ سے اپنے خطاب میں اس کا کھلا اعتراف کیا تھا۔ بعض دوسرے ممالک کھلے اعلان کے بغیر اسے عملاً یہی حیثیت دے رہے ہیں۔ روس کے زوال کے بعد، اور چین کے ایک ایشیائی عالمی طاقت بننے کے ہوتے ہوئے کے پیشِ نظر امریکہ بھارت کو اپنے مہرے کے طور پر لانے کی کوشش کر رہا ہے اور بھارت اس کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے ورنہ جو فوجی مشینری، اور خصوصیت سے بحری بیڑا اور لمبی مار کے میزائل وہ جمع کر رہا ہے ان کا کوئی جواز دفاعی بنیادوں پر نہیں دیا جا سکتا۔ ان کی اگر کوئی توجیہہ ممکن ہے تو وہ علاقائی سوپر پاور بننے کا خواب ہے اور یہی چیز علاقے کے دوسرے ممالک اور خصوصیت سے پاکستان کے لیے سلامتی کے دور رس خطرات کو جنم دے رہی ہے۔

کیا پاکستان ان حقائق سے صرف نظر کر کے قومی سلامتی کے لیے کوئی موثر اور کامیاب دفاعی حکمت عملی بنا سکتا ہے؟ ایسا کرنا حماقت ہی نہیں، خودکشی کے مترادف ہو گا۔ (جاری)

© rasailojaraid.com